SHNAKHAT E(ISSN) 2709-7641, P(ISSN) 2709-7633
Vol:3, ISSUE:3 (2024) PAGE NO: 441-454
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

Cite us here: Azhar Javed, & Dr. Professor Muhammad Aslam Khan. (2024). A Research Study on the Types, Rulings, and Conditions of Magic (Sihr) in Light of Tafseer Fath ul Aziz: تفسیر فتح العزیز کی روشنی میں سحر کی اقسام، احکام اور شرائط کا تحقیقی مطالعہ. *Shnakhat*, 3(3). Retrieved from https://shnakhat.com/index.php/shnakhat/article/view/352

"Technical Appropriation of Novel Writing by Amina Mufti. A Brief Recap

آمنہ مفتی کی ناول نگاری کا فنی اختصاص۔ مختصر جائزہ"

Saqlain Ahmad Khan (Saqlain Sarfraz)[1] **Mohsin Khalid Mohsin[2]**
Humaira[3]

Lecturer Department of Urdu, Islamia University Bahawalpur[1]
[2]Lecturer,Govt Shah Hussain Associate College Chung Multan Road Lahore at-mohsinkhalid53@gmail.com
[3]Assistant Professor Department of Urdu Islamia Collage Peshawar

Abstract

Amina Mufti is a prominent novelist of the 21st century, whose novels reflect contemporary demands mercilessly. Amina Mufti wrote the novel in a commercial style but maintained the glory of literature. All the problems and delusions of the 21st century are addressed in his novels, the echo of the feminine trend can be felt frequently. This paper helps us to determine the technical specialization of Amina Mufti's novel writing. Through this paper, it will help to examine the unique aspects of Amina Mufti's novel writing and the eloquence of analytical thoughts.

Keywords: 21st century, spirituality, feminism, patriarchal society, globalization, archetype, cry of consciousness, social problems, class division, Pakistani society, 9/11, terrorism

خلاصہ:

آمنہ مفتی اکیسویں صدی کی متعبر ناول نگار ہیں جن کے ناولوں میں عصری تقاضوں کی بے رحمانہ عکاسی ملتی ہے۔ آمنہ مفتی نے ناول کو کمرشل انداز میں لکھا لیکن ادبیت کی شان کو برقرار رکھا۔ ان کے ناول میں اکیسویں صدی کے تمام تر مسائل واوہام کا تذکوہ

ملتا ہے۔ان کے ناولوں میں تانیثی رجحان کی بازگشت فراواں طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔یہ مقالہ آمنہ مفتی کی ناول نگاری کے فنی اختصاص کو متعین کرنے میں ہماری مدد کرتا ہے۔اس مقالہ کے ذریعے آمنہ مفتی کی ناول نگاری کے منفرد پہلوؤں اور تجزیاتی افکار کی بوقلمونیوں کو پرکھنے کی مدد ملے گی۔

کلیدی الفاظ: اکیسویں صدی، تانیثیت، ثنائیت، پدر سری سماج، عالمگیریت، آر کی ٹائپ، شعور کی رو، سماجی مسائل، طبقاتی تقسیم، پاکستانی معاشرت، 9/11، دہشت گردی

آمنہ مفتی اکیسویں صدی کے نسائی اردو ناول میں معتبر آواز ہیں۔ان کے ناولوں میں نسائیت کی گرج دار آواز اس قدر شدت لیے ہوئے ہے کہ قاری کے حواس مختل ہو جاتے ہیں اور وہ ماضی کے سبھی امکانات کے تعین کے تشکک کو از سر نو تشکیل دینے کی خواہش کرتا ہے۔آمنہ کے ہاں سماجی مسائل کی اس قدر جاندار اور ناقدانہ شدت پائی جاتی ہے کہ پڑھنے والا اثر لیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آمنہ مفتی نے اکیسویں صدی کے ربع اول میں ناول لکھنا شروع کیا۔ان کے اب تک تین ناول شائع ہو چکے ہیں اور چوتھا ناول وہ لکھ چکی ہیں جو اشاعت کے آخری مرحلے میں ہے۔آمنہ مفتی کا فکشن اتنا صحت منداور موضوع کے لحاظ سے اس قدر وقیع ہے کہ ربع دہائیوں میں خواتین ناول نگاروں کی طرف سے ایسا کام سامنے نہیں آسکا۔

آمنہ مفتی سات بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی ہیں۔ان کے علاوہ چھے بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ان کا بچپن دیہات میں گزرا۔ان کی پیدائش لاہور سے متصل ایک نواحی گاؤں کے زمیندار گھرانے میں ایک فارم ہاؤس پر ہوئی جہاں ان کا بچپن اور لڑکپن گزرا۔ان کے بچپن میں وہ سبھی یادیں، باتیں اور مشاہدات موجود ہیں جو لکھنے والے کے لیے تحرک کا کام کرتے ہیں۔آمنہ مفتی اپنے بچپن کے بارے میں بتاتی ہیں:

> " ہم سات بہن بھائی تھے۔میں سب سے چھوٹی ہوں اور بہت شرارتی ہوں۔ابا میرے مجھے کہتے تھے کہ میں سب سے چھوٹی ہوں جب کہ میں عمر میں خاصی بڑی تھیں۔ہمارا کچھ اس طرح کا بچپن تھا کہ اس میں بہت سادگی تھی۔بچپن میرا بہت سادہ تھا اور میرا بچپن دیہات میں گزرا تھا اس لیے سب کچھ پتہ ہونے کے باوجود کچھ بھی پتہ نہ ہوتا تھا۔ابا نے سات بہنیں ہونے کے باوجود ہمیں ایک جیسا رکھا۔(1)

آمنہ مفتی کا بچپن نہایت فرحت بخش انداز میں گزرا۔انھوں نے اپنے زمانے کے عصری مسائل اور سماجی انحطاط کو دیہی معاشرت کے پس منظر میں دیکھا۔ان کے ابا زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے رسم و روابط ملک کے نمائندہ شخصیات سے تھے۔ان کے خاندان کا پھیلا ہوا وسیع سلسلہ تھا جس میں زیادہ تر پڑھے لکھے لوگ شامل تھے۔آمنہ کے ابا ایک پڑھے لکھے کتاب دوست انسان تھے جنھوں نے اپنی سبھی بیٹیوں کو یکساں تعلیم اور تعمیری ماحول فراہم کیا جس کا ذکر انھوں نے ثمینہ پیرزادہ کو دیئے ہوئے محاسبہ میں یوں کیا ہے:

> "میں جب سکول میں گئی تو مجھے پڑھنا آتا تھا۔میں نے پہلا شعر ساتویں کلاس میں کہا تھا۔تب میں نے 1986 میں کہا تھا۔کس لیے حیران ہوں ،ہونی تو ہو بھی چکی/چاند تو مر بھی گیا اور چاندنی رو بھی

چکی۔ میرے استاد شوکت صاحب نے میری شاعری کی اصلاح کرتے تھے۔ میرے ابا مجھے شاعری کی
بجائے نثر میں لکھنے کے لیے کہتے تھے۔ میرے ابا کو شاعری پسند نہ تھی۔"(2)

آمنہ مفتی کا تخلیقی سفر شاعری سے شروع ہوا تھا۔ 1986ء میں انھوں نے ساتویں کلاس میں آٹھ برس کی عمر میں پہلا شعر کہا تھا جو اس طرح ہے:

ے کس لیے حیران ہوں، ہونی تو ہو بھی چکی
چاند تو مر بھی گیا اور چاندنی رو بھی چکی

اس شعر میں اتنی جان ضرور ہے کہ اس میں عصری مسائل کو جذبات کے انحطاط میں دیکھا جا سکتا ہے۔ آمنہ کے ابا شاعری کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے ابا کا کہنا تھا کہ نثر میں لکھنا چاہیے۔ عورت کو شاعری زیب نہیں دیتی۔ آمنہ کی ایک پھوپھی اچھی شاعرہ تھیں۔ آمنہ نے شاعری میں شوکت نامی شاعر سے برسوں بذریعہ خط اصلاح لی لیکن شاعری کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔

آمنہ نے افسانہ کی طرف بھی طبیعت کو مائل کرنا چاہا لیکن ان کی طبیعت نے افسانے کی صنف کو قبول نہیں کیا۔ انھوں نے بچپن سے شادی کے اوائل ایام تک نثر میں لکھا اور یہ کم عمری میں چھپا۔ آمنہ کے ہاں عورتوں کے مسائل کی جذباتیت کا انداز زیادہ کھل کر سامنے آتا ہے۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں ڈراموں سے زیادہ گہرائی، سخت گیری اور اثریت دکھائی ہے۔

" میرے شب و روز بہت اچھے گزرتے ہیں۔ مجھے آدم بیزاری کا دور راس آ گیا ہے۔ میں نے اپنا چوتھا ناول شروع کیا ہے اور اپنا ایم فل شروع کیا ہے۔ اس کے ساتھ ڈرامے کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اردو ڈراما نویس اور ناول نگاروں سے میرا کوئی مقابلہ نہیں ہے مثال کے طور پر ان کی اردو شاعری ان کے گلے پڑ گئی اور فارسی شاعری غائب ہو گئی اسی طرح ڈراما میرے گلے پڑ گیا اور میرا فکشن کا حوالہ کہیں پیچھے رہ گیا ہے"۔(3)

آمنہ مفتی حقیقتاً ایک ناول نگار ہیں لیکن ان کی شہرت اب ایک کامیاب ڈراما نگار کی حیثیت سے ہے۔ انھوں نے 20 ڈرامے اب تک لکھے ہیں جو سبھی مشہور بھی ہوئے اور مختلف ٹی وی چینل پر نشر بھی ہوئے۔ ان کے ڈراموں کی ریٹنگ نمرہ اور عمیرہ احمد کے ڈراموں سے کم نہیں ہے۔ ڈراما کی طرف ان کا رجحان مختلف وجوہ کی بنا پر ہوا جس کا ذکر انھوں نے متعدد محاسبوں میں کیا ہے۔

آمنہ مفتی ابھی چالیس برس کے پیٹے میں ہیں اور ان کے شب و روز شدید تخلیقی مصروفیت میں گزر رہے ہیں۔ انھوں نے خانگی مسائل کی وجہ سے لکھنے کے شغل کو ترک کرنے کے باوجود لکھنے کی بیماری کے مرض سے خود کو نجات نہ دلا سکیں اور یہ مرض سر چڑھ کر ان کے ڈراموں، افسانوں اور مکالموں میں بولتا ہے۔

آمنہ مفتی کے اب تک تخلیقی سفر پر نظر ڈالتے ہیں۔

ناول

جراتِ رندانہ　　آخری زمانہ　　پانی مر رہا ہے

ڈرامے

ایک ہتھیلی پہ حنا　جہیز	سب پری لال کبوتر　مایا	ابو برائے فروخت نہیں	
دل محلے کی حویلی　رخصاتی	اضطراب	حق مہر	
نیلم کنارے	جگنو	فرواکی اے بی سی	جب تک عشق نہیں ہوتا
گھگھی	آخری اسٹیشن	زن مرید	دل نااُمید تو نہیں

آمنہ مفتی کو ان کے کمرشل ڈراموں کی شہرت کے باعث متعدد اعزازات سے نوازا جا چکا ہے۔ اور کئی ایک انعامات کے لیے نامزد بھی کیا گیا ہے۔ انھیں بہترین ٹی وی رائٹر کا 12واں لکس ایوارڈ دیا گیا، جبکہ بہترین ٹی وی رائٹر ڈراما "الو برائے فروخت نہیں ہے" کے لیے 13واں لکس ایوارڈ ان کی شہرت کا باعث بنا۔ اس کے علاوہ علمی وادبی ایوارڈ کی ایک طویل فہرست ہے۔

آمنہ مفتی کے ناول کے بارے میں یہاں مختصر تجزیہ پیش کیا گیا ہے جس سے ان کے ناولوں کی فنی وفکری معنویت سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح انھوں نے اکیسویں صدی کے نسائی ادب کو اپنے حوالے سے دیکھا اور اس پر اپنی فکر اور سوچ کے زاویوں کا اطلاق کرتے ہوئے پاکستانی سماج سے وابستہ مسائل وافکار کا تجزیہ کیا ہے

آمنہ مفتی کا پہلا ناول "جراتِ رندانہ" ہے جو 2006 میں الفصیل ناشران لاہور سے شائع ہوا۔ یہ ناول تکنیکی اعتبار سے ان کا پہلا ناول ہے مگر انھوں نے اپنے ایک انٹرویو میں " آخری زمانہ" کو اپنا پہلا ناول قرار دیا ہے جسے بھاری اور جاندار سمجھ کر انھوں نے کچھ دیر کے لیے موقوف کر دیا تھا اور "جراتِ رندانہ" کی اشاعت 2006 کے بعد اور آخری زمانہ 2010 میں شائع کروایا۔ اس بات کا تذکرہ انھوں نے خرم سہیل کو دیئے انٹرویو میں یوں کیا ہے:

> "میرا پہلا ناول "آخری زمانہ" ہے جو میں نے 11/9 کے بعد لکھنا شروع کیا تھا۔ یہ ناول چونکہ بھاری ناول تھا اور اسے مکمل کرنا مشکل تھا اس لیے میں نے بیچ میں "جرات رندانہ" ناول شروع کیا؛ اس لحاظ سے میرا پہلا ناول "جرات رندانہ ہی ہے۔ جراتِ رندانہ 2006 میں شائع ہوا جبکہ آخری زمانہ 2010ء میں شائع ہوا۔ دونوں ناول لکھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ ناول لکھنا اور ایک نارمل ازدواجی زندگی گزارنا ایک مشکل کام ہے جس کے لیے بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ ڈراما ناول کی نسبت آسان ہے اس کے لیے دماغ پر زیادہ زور نہیں ڈالنا پڑتا۔ پہلے دونوں ناول میں نے شعوری طور پر لکھے جبکہ تیسرا ناول لاشعوری طور پر یوں لکھا کہ اس ناول کے سبھی کردار میرے ذہن پر سوار ہو گئے اور میں نے اسے لکھ ڈالا۔" (4)

جراتِ رندانہ "ناول ایک مفلوج نوجوان کی کہانی ہے جو معذوری کے باوجود اپنی استقامت کے ساتھ دُنیا کو ثابت کرتا ہے۔اس ناول میں آمنہ نے نوجوان اپاہج کردار کے ذریعے ملک کی سیاسی و سماجی صورتحال کو علامتی انداز میں بیان کیا ہے۔اس ناول کے کرداروں کی باہمی چپقلش سے انار کی کی ارزانی کھل کر سامنے آتی ہے۔بظاہر یہ پہلا ناول ہے لیکن اس ناول کی فنی پختگی اور پلاٹ کی وحدت نے اس کی کہانی کے تسلسل کو جھول کے نقص سے دور رکھا ہے۔

آمنہ کے ہاں زبان و بیان کی ادائیگی ڈرامائی انداز لیے ہوئے ہے۔اس ناول میں معاشرے کے محروم افراد کو مرکزی حیثیت حاصل ہے ۔معاشرہ ہمیشہ اپنا منافقانہ طرزِ عمل کلاس سسٹم کے ذریعے جاری رکھتا ہے اور موقع آنے پر کچلنے سے باز نہیں آتا۔خالد محمد فتح لکھتے ہیں:

> "جراتِ رندانہ آمنہ مفتی کا پہلا ناول ہے۔یہ ایک نیم مفلوج پولیو زدہ نوجوان کی کہانی ہے جو زندگی اور اس سے منسلک معاشرتی اقدار کو شکست دینے کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کر دیتا ہے۔ناول کے بیان کی خوبی ناول نگار کی کہانی پر گرفت ہے جو آج کے دور میں بہت کم دکھائی دیتی ہے۔یہ ناول اپنے فنی محاسن اور طرزِ اظہار کے حوالے سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔"(5)

ایک مصنف چوں کہ حساس ہوتا ہے۔یہ اپنی فرضی اور تصوراتی دنیا میں رہتا ہے۔اس کے مسائل اور معیارات کچھ اور ہوتے ہیں۔یہ اس ظالم اور مکرہ دنیا میں خود کو فٹ کرنے کے چکر میں مزید گہنالیتا ہے۔اس کا ردعمل اس کے اندر ایک مستقل احتجاج کی صورت لے آتا ہے۔

اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر لکھنے والا ہی ناراض ہوتا ہے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔اسی لیے وہ لکھتا ہے۔ہمارے چاروں طرف کچھ ایسا ہے جو ہم چاہتے ہیں کہ ویسا نہ ہو حالانکہ یہ ضروری نہیں کہ ہم جو سوچتے ہیں وہ ٹھیک ہو۔ہم جو کہنا چاہتے ہیں اور کہتے بھی ہیں اس کے لیے ہمیں انرجی چاہیے اس لیے لکھنے والوں میں غصہ ہوتا ہے اس لیے وہ لکھتے ہیں لیکن اواخر میں آپ بیتی لکھتے وقت ان کی تحریر میں لکھے جذبات کی سمجھ آتی ہے کہ اس کی زندگی میں کس طرح کے سانحات آئے۔

آمنہ مفتی کا یہ ناول دراصل معاشرے کے محروم افراد کی طبقاتی احساسِ محرومی کی داستان ہے جس نے پاکستانی معاشرے کے برادری نظام کو چیلنج کیا ہے۔اس ناول کے ذریعے قاری کو اپنے عہد کے درپیش مسائل کا پتہ چلتا ہے کہ کس طرح پاکستانی معاشرے کی جملہ اقدار کو گہنائے جانے کے عمل سے دوبار گزارا جاتا ہے۔اس ناول میں آمنہ مفتی نے کرداروں کو ایک خاص وحدت میں رکھا ہے اور کہیں بھی کرداروں کو ان کے طے شدہ دائرے سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی۔یہی وجہ ہے کہ اس ناول کو اہلِ ادب نے نہ صرف سراہا ہے بلکہ اس کے جملہ اسالیبِ بیان کو تحسین کی نگاہ سے بھی دیکھا ہے۔

> " یہ ناول دراصل ان سماجی اور معاشری تبدیلیوں سے منسلک ہے جسے اس طبقے کی سوچ اور نظریات جکڑے ہوئے ہیں۔معاشرے میں موجود تہذیبی انحطاط کی یاسیت زدہ صورت نے اس معاشرے کے محروم طبقے کو زندگی کی بنیادی ضرورتوں اور حقوق سے محروم رکھنے کی جانبدارانہ روش اختیار کر رکھی ہے۔

آمنہ نے اس ناول میں حقیقت نگاری کے ذریعے معاشرتی روایات کی جڑوں کو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق اکھیڑنے کی بھرپور کوشش کی ہے"۔(6)

مجموعی طور پر اس ناول میں پاکستانی زمین سے منسلک باسیوں کے خوابوں کی تشنہ تعبیروں کا نوحہ ہے جنھیں اپنی ذات کی تسخیر اور دنیا کے حصول کی سر توڑ کوشش کے فیصلے لینے کی اجازت نہیں ہے۔اس معاشرے کے کھوکھلے نظام نے انسان کی محرومیوں کو اس کے وجود کا نقص بنا کر اسے نفرین کے لائق بنا دیا ہے۔ زندگی کی آسائشیں تلاش کرنے والے بنیادی ضرورتوں کے لیے ترستے رہتے ہیں۔ جراتِ رندانہ کی ترکیب اس ناول کے تعمیری پہلوؤں کے جس رُخ کو واضح کرتی ہے وہ بہت المناک اور وحشت انگیز ہے۔

آمنہ مفتی کا دوسرا ناول "آخری زمانہ" ہے جسے الفصیل ناشران لاہور نے 2010ء میں شائع کیا۔اس ناول کے بارے میں آمنہ بتا چکی ہیں کہ اس ناول کو پہلے انھوں نے شروع کیا۔اس ناول کی ضخامت اور طوالت کے پیش نظر اسے عجلت میں سمیٹنا ان کے بس کی بات نہ تھی؛اس لیے مصنفہ نے اسے ادھورا چھوڑ دیا اور "جراتِ رندانہ "ناول کو لکھ کر باقاعدہ ناول کی صنف میں خود کو ناول نگار کامیابی سے متعارف کروایا۔

آمنہ نے ثمینہ پیرزادہ سے دورانِ محاسبہ اپنے اندر کے کرداری کرب کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح ان کے ہاں کرداروں کی طوالت اور بہتات کا سحر ان کے حواس و ذہن پر طاری رہتا ہے۔آمنہ کہتی ہیں:

"میرے اندر کرداروں کی ایک جنگ رہتی ہے۔ یہ کردار اتنے زیادہ ہیں اور اتنے گہرے ہیں اور ان کی اتنی طاقت ہے کہ میں ان کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ جیسے کہ جہیز کے کردار ہیں ان میں چھے کردار ہیں۔ جہیز کے موضوع پر اتنے کردار مجھے کہانی لکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔" (7)

آمنہ مفتی کا یہ ناول ہر اعتبار سے پڑھنے اور بحث کرنے کے لیے مواد فراہم کرتا ہے۔ یہ ناول 557 صفحات پر مشتمل ہے جس کی طوالت اور ضخامت اس کے کرداروں کی گوناں گوں متحرک محرکات کی وجہ سے کہانی کے تسلسل میں رخنہ نہیں ڈالتی بلکہ پلاٹ کے کینوس کو قسم قسم کی بو باس سے متاثر کرتی اور ماحول کو تازہ رکھنے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ناول کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

"گاؤں کی گلیوں میں گنے کے چُسے ہوئے چھلکے پڑے تھے اور چاندنی کہرے میں ٹھٹھرے ہوئے درختوں اور نشرتی دیواروں کے سایوں کے درمیان موازیک بنا رہی تھیں"۔(8)

آمنہ مفتی نے اس ناول میں آخری زمانہ کو علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔اس ناول میں سینکڑوں کردار ہیں جو اپنی کہانی کے ساتھ ناول میں ایک خاص منطقی ترتیب کے ساتھ آتے ہیں اور قاری کے ذہن میں سوالات کا ایک لامتناہی سلسلہ وا کر کے نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔اس ناول پر نقادانِ فن اور حلقہ اردو ادب کی طرف سے بہت کچھ لکھا گیا ہے۔معروف ناول نگار عبداللہ حسین نے اس کا پیش لفظ لکھا ہے۔

"میں نے یہ ناول پڑھا ہے اور مجھے یہ ناول بے حد پسند آیا ہے،میں آپ کو بھی یہی کہوں گا کہ اس ناول کو ضرور پڑھیں"۔(9)

آمنہ مفتی نے اس ناول میں جن کرداروں کی زندگی اور زیست سے متصل واقعات کو بیان کیا ہے وہ پڑھنے سے زیادہ جینے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک ایک کردار اپنی جگہ منفرد، اچھوتا اور دلآویز ہے۔ ان کرداروں نے زندگی کو جس طرح جیا اور جو کارہائے نمایاں انجام دیئے یہی طرز حیات ان کی کہانی کو پڑھنے کے بعد اختیار کرنے کو جی چاہتا ہے۔ زاہد خان لکھتے ہیں:

"اس ناول کو پڑھنے کی بہت سی وجوہ ہیں جن میں عبداللہ حسین کی رائے بھی ہے۔ یہ ناول "بھاری" ہے یہ بھی ایک وجہ اس کو پڑھنے کی بنی۔ مجھے 'ناول فوبیا' ہو چکا ہے۔ یہ بھی ایک بیماری کا نام ہے جس کی بڑی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ مریض بار بار لفظ مانگتا ہے۔ تو بات یہ ہے کہ میں بار بار لفظ اس لیے مانگتا ہوں کہ میں ان ناولوں میں جی رہے کرداروں کی زندگی جینا چاہتا ہوں، انھیں کی طرح کام کرنا چاہتا ہوں اور انھیں کی جیسی موت مرنا چاہتا ہوں"۔(10)

آمنہ مفتی نے اس ناول میں کئی محاذ کھولے اور کامیابی سے وحدت میں رکھتے ہوئے انھیں سمیٹا اور انداز ایسا اختیار کیا کہ بیسویں اور اکیسویں صدی کے انسانوں کو درپیش عالمگیر مسائل اور مشکلات کا ایک اجتماع اس ناول میں مدغم ہو گیا ہے۔ اس ناول میں ہر کردار گویا ایک الگ کہانی ہے اور یہ کہانیاں ندی، نالوں اور برساتوں کے رین جھرنوں کی صورت عمیق سمندر کی اتھاہ میں گرتی بل کھاتی سکڑتی پھیلتی چلی جاتی ہیں اور قاری کو بھی اپنے ساتھ بہائے لیے جاتی ہیں۔

اس ناول میں تمام تہذیبی رنگ اور جلسے جلوس کی سیاست سے لے کر نعرے، تقریریں، مباحثے، مجادلے کی کشمکش سے نکلتے متنفس کرداروں کو یونیورسٹیوں کی سازشوں میں دبا رکھا ہے۔

حکومت بنانے اور گرانے کے مشاغل، انصاف کی فراہمی کے گورکھ دھندے، فیصلوں اور پالیسوں کے درمیان حائل بیرونی واندرونی مداخلت۔ قانونی جبر، ریاستی رٹ کا تنزل اور معاشرتی و تہذیبی انحطاط کی ارزانی کا نوحہ سمیت کتنے اور محاذ ہیں جو اس ناول میں مصنفہ نے کھولے بھی اور سمیٹے بھی۔ یہ ناول واقعی ایک بھاری بھرکم ناول ہے جسے لکھنا اور پڑھنا حوصلے کا کام ہے۔

اس ناول کے مرکزی کرداروں میں " سارہ، راحیلہ، دادی، جمیل، رحیم گل، خالدہ، دابو، دہلوی" سمیت بے شمار کردار کہانی کے آخری زمانہ کی یاد دلاتے ہیں۔ یہ کردار اپنی علامتی معنویت کے ساتھ کہانی کے کینوس کو رنگارنگ بو باس سے مزین بھی کرتے ہیں اور خوفناک مشاہدات و تجربات کی نوک سے حساس دل کے تاروں کو گدگداتے ہوئے محسوس بھی ہوتے ہیں۔ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

" بس یہ ضرب کلیم ہے اس کے بعد اسلام آباد ہمارا ہوگا۔ واقعی اصل معنوں میں ہمارا۔ یہ نہیں کہ نام اسلامی اور روح شیطانی"۔(11)

اس ناول کی تکنیک علامتی ہے۔اس ناول میں مصنفہ نے اپنی زندگی میں گزرے تلخ و شیریں واقعات کو بھی پس پردہ بیان کیا ہے۔ناول کی پوری فضاایک سنسنی پیدا کیے رکھتی ہے جس کی روانی میں کرداروں کی ذاتی شخصیت مجروح نہیں ہوتی اوران کی انفرادیت بھی باقی رہتی ہے۔آمنہ مفتی کا قلم ایک بے باک لکھاری کا قلم ہے جو جس طرح سوچتا ہے ویسے ہی اس کی ترجمانی بھی کرتا ہے۔ڈاکٹر شہاب ظفر ہاشمی لکھتے ہیں:

> " جرات رندانہ اور آخری زمانہ اکیسویں صدی کے اردو ناول کے پہلے دس ناولوں میں شمار کیے جانے والے ناول ہیں جنھیں آمنہ مفتی نے لکھا ہے۔ان ناولوں کے موضوعات ایسے ہیں جن پر لکھنا ہر کسی کے بس کی بات نہ تھی۔آمنہ نے ان ناولوں کے موضوعات کو قطعیت کے ساتھ بغیر کسی لگی لپٹی کے کھل کر لکھااور معاشرے کے نفاق اور سیاست وحرفت کی شعبدہ بازیوں کا دامن بھی چاک کیا۔ان کی قلم کی نوک بڑی بے مروت ہے یہ لحاظ اور تمیز سے کوسوں دور ہے۔"(12)

آمنہ نے اس ناول میں گاؤں کی فطری آب وہوااور تہذیبی اقدار کی روشن صبح کو بطور استعارہ برتا ہے۔ان کا یہ ناول پنجاب کے ایک گمنام گاؤں کی سرزمین سے شروع ہوتا ہے اور 11/9 تک چلا جاتا ہے اور اس سے آگے عالمگیریت کی حدوں کو پھلانگتا ہوا آفاق کی کمندوں سے جا ٹکراتا ہے۔اس ناول کو مصنفہ نے خود ایک "بھاری ناول" قرار دیا ہے۔اس ناول کو پڑھتے ہوئے اس کی گرانی کا احساس ہوتا ہے۔زاہد حسن لکھتے ہیں:

> " بس یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم پڑھنے لکھنے اور سوچنے والے اپنے اپنے زمانے کی کمین گاہوں میں بیٹھے ان لوگوں کو "آخری زمانہ" سے گزرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔آمنہ مفتی دیکھ رہی ہے۔میں دیکھ رہا ہوں اور ہم سب دیکھ رہے ہیں اور ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ کتنے ہی زمانے گزر گئے اور ان زمانوں میں جو کچھ گزر گیا وہی اس کا آخری زمانہ تھا اور اب ہمارا آخری زمانہ کچھ دور پڑا دکھائی دیتا ہے اور ابھی یہ گزرے اور ابھی گزر بھی گیا"۔(13)

آمنہ نے اس ناول میں واقعات کے تسلسل کو منظر نگاری سے مزین کیا ہے۔اس ناول میں جذبات واحساسات کا ایک داخلی نظام ملتا ہے جس کی وسعت قلب کی گہرائی سے اُٹھنے والی کوکھ سے جنم لیتی ہے اور روح کی گھپا میں مدغم ہو جاتی ہے۔اس ناول کو ایک نشست میں نہیں پڑھا جاسکتا۔اس ناول کو پڑھنے سے زیادہ اسے ہضم کرنے میں وقت لگتا ہے۔ایک ناول اور سینکڑوں موضوعات کا پھیلا ہوا وسیع سلسلہ۔غالب نشتر لکھتے ہیں:

> "دنیا کے نقشے میں کسی نئے ملک کا قیام عمل میں آنا کوئی مسئلہ نہیں جتنا اس کے قیام کو مستحکم کرنا ہے۔اس ملک کے قیام کے بعد 1958 کا مارشل لاء تھا جس کے بعد 1965 سے آگے بڑھا تو 1971 میں دو ٹکڑے ہوا۔ذرا سنبھلا تو 1977 کا مارشل لاء لگا۔جیسے تیسے کچھ وقت گزرا کہ 11/9 نے خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا۔اس ملک پر بقول منیر نیازی کسی آسیب کا سایہ ہے جس کی نحوست نے اس کی شکل بگاڑ دی ہے۔اس بگڑی صورت کو ناول نگار اپنے ناول میں حسین اور جاذبِ نظر کس طرح بنائیں۔"(14)

مجموعی طور پر اس ناول میں آمنہ مفتی نے پاکستانی معاشرت کے سیاسی زوال کا نوحہ پیٹا ہے۔ اس ناول میں جہاں مقامیت کا علاقائی رنگ دکھائی دیتا ہے وہیں عالمی سطح پر درپیش مسائل کی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے۔ ناول کے کرداروں کی زندگی آئیڈیل بھی ہے اور اذیت سے اٹی ہوئی بھی۔ ناول کی تکنیک اور پلاٹ کی فنی وحدت قاری پر ایک ثقیل تاثر کا غلبہ طاری کرتی ہے۔ یہ ناول اپنی گرفت سے قاری کو باہر نہیں نکلنے دیتا۔

آمنہ مفتی کا تیسرا ناول "پانی مر رہا ہے" اس وقت سامنے آیا جب پوری دنیا عالمگیریت کے مسائل سے نمٹ رہی تھی۔ اس ناول کے شائع ہوتے ہی اس کے بارے میں عجیب و غریب آرا اور تبصرے سامنے آئے۔("پانی مر رہا ہے" آمنہ مفتی تیسرا ناول ہے۔ یہ ناول 188 صفحات پر مشتمل ہے لیکن اس کے باوجود پورا ناول پڑھ کر یوں لگتا ہے کہ جیسے آپ ابھی ابھی ہزار صفحات پر مشتمل رزمیہ پڑھ کر اٹھے ہوں۔ ناول کی تہہ داری کا اندازہ اس کے عنوان کے قطرے سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہاں " مرنے " کا مطلب جان سے جانا یا فوت ہونا تو ہے ہی لیکن اس کا ایک مطلب جذب ہونا بھی ہے۔ لیکن بات یہاں پر ختم نہیں ہوتی ہے کہ اسی سے ذہن فوری طور پر دیدوں کا پانی مر گیا ہے کی طرف جاتا ہے جہاں مرنے کے ایک اور معنی سامنے آجاتے ہیں۔ زیف سید اس ناول کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "ناول کے پلاٹ کا خلاصہ میرے بس کی بات نہیں بس یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کسی ڈراؤنے خواب کے اندر موجود ہیں جہاں آدم خور میمنے اور کچھوے بری طرح دندنا رہے ہیں، جہاں چوہے سانپوں کا شکار کرتے ہوں، جہاں عورتیں دھڑ ادھڑ آدھے دھڑ انسان اور آدھے دھڑ مچھلی والے بچے جن رہی ہیں۔ اس ناول کی دنیا میں حویلیوں کی بنیادیں سانپوں کی بانبیوں پر قائم ہیں، جہاں ایک درخت پر لاکھ پرندوں کا بسیرا ہے اور جہاں شہروں اور دیہاتوں کے بیچوں بیچ ایسے نو گو ایریاز قائم ہے جہاں جس نے قدم رکھا اس کی جان اور ہوش و حواس کی سلامتی کی ذمہ داری مصنفہ کی نہیں ہے "(15)

اس تمام تر سحر آلود فضا کے باوجود ناول آج کے دور کے جیتے جاگتے مسائل پر مبنی ہے۔ ناول کی کہانی میں انسان کی حرص، زمین کی حرص، زر کی حرص اور جنس کی حرص اس کے دوسرے موضوعات ہیں۔ ان تمام حالات و واقعات اور کرداروں کو قابو میں رکھنا آسان نہیں تھا لیکن آمنہ مفتی نے اس کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔

اس ناول کو زیادہ تر مدلل مداحی کرنے والے ادبا اور تبصرہ نگاروں نے خوب سراہا لیکن اصیل نقاد اور ادب کے فرض شناس قارئین نے اسے ایک نامکمل، ادھورا اور کمزور و ناول قرار دیا ہے۔

اس ناول کی کہانی اللہ یار کے بیٹے "اسرار" کے گاؤں سے شروع ہوتی ہے جسے وکیل بننے کا شوق ہوتا ہے۔ وکالت کی غرض سے یہ شہر جاتا ہے اور پھر عجیب و غریب وضع بنائے ناکام ہو کر گاؤں لوٹ آتا ہے۔ اس کا قصہ یہیں ختم اور پھر اس کے سوتیلے بھائی کا قصہ شروع ہو جاتا ہے۔ مصنفہ نے ایک کانے شخص مینے کا ذکر کیا ہے جو اسرار کو پالتا ہے۔ اسرار کو سانپ ڈس لیتا ہے اور اسے لاعلاج سمجھ کر بھوریوں کے کلے کے جوگی کے پاس چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پھر ایک بکری قصے میں داخل ہوتی ہے اور اس کے دو میمنوں کے مافوق الفطرت واقعات کا تسلسل اس کہانی کو کسی اور طرف لے جاتا ہے۔ اس ناول

میں پے درپے کئی واقعات ہیں جن کا آپس میں کوئی ربط نہیں ہے اس کے باوجود اس ناول کے پلاٹ کو ایک فنی وحدت میں تحدید کرنے کے لیے مصنفہ نے " میجک سرئیلزم "کا استعمال کیا ہے۔

اس ناول کی تحریر اور اشاعت کے بارے میں مصنفہ نے خرم سہیل کو دیئے انٹرویو میں اعتراف کیا ہے کہ یہ ناول میری مرضی اور نظرثانی کے بغیر چھاپ دیا گیا تھا جس کی وجہ سے اس میں سقم موجود ہے اور میں اسے دیکھ نہ سکی۔ مصنفہ بتاتی ہیں:

> " ناول "پانی مر رہا ہے" کا قصہ بھی عجیب ہے۔ اس کے دو باب میں نے لکھے تھے کہ سسرال والوں کے ردعمل اور گھر کے معاملات اور بچوں کی تعلیم اور مصروفیات کی وجہ سے مجھے اسے ادھورا چھوڑنا پڑا۔ پھر ایک دن میرا بیٹا جو ہائی کلاس میں ہے اور وہ انگریزی کالٹریچر پڑھے ہوئے ہے اس نے مجھے کہا کہ ماما یہ کہانی تو بہت مزے کی ہے اور میں نے کہیں اس طرح کی کہانی نہیں پڑھی۔ میں نے کہا! واؤ تو میں نے اسے دوبارہ لکھنا شروع کر دیا اور اسے سناتی رہی اور اس طرح یہ کہانی کسی حد تک مکمل ہو گئی۔ ابھی میں اس میں کچھ ایڈ کرنا چاہتی تھی کہ ڈراما کے پروڈیوسر کی مجھے کال آئی کہ فلاں ڈراما کہاں تک پہنچا کہ میرے ناشر (الفیصل) زبردستی مجھ سے چھین کر اس ناول کا سکرپٹ لے گئے اور مجھے کہا کہ آپ اسے کہیں گنوا دیں گی اب یہ آپ کو شائع حالت میں ملے گا"۔(16)

مصنفہ کی مذکورہ رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، ہو سکتا ہے کہ انھوں نے ناول کے سقم کو کور کرنے کے لیے یہ رائے شعوری طور پر ریکارڈ کروادی ہو تاکہ قاری کی ہمدردی حاصل کی جا سکے۔ اس ناول میں جتنے کردار ہیں اتنے ہی ان کے قصے ہیں اور ہر قصے میں ایک نئی عجیب و غریب دنیا بسی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

اس ناول کی زبان اور لفظیات بھی مصنفہ کی وضع کردہ ہے۔ گویا اس ناول میں مصنفہ نے ڈرامائی انداز کو اختیار کیا ہے۔ آمنہ مفتی کمرشل ڈراما لکھتی ہیں اور اس فن میں یہ طاق ہیں اور ان کی پذیرائی بھی بطور ڈراما نگار زیادہ ہے اس لیے ان کے ناول میں اس فنی سقم کا در آنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔

فیصل اقبال اعوان نے اس ناول کو سخت تنقیدی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کی سرجری بے رحمانہ انداز میں یوں کی ہے کہ ایک محقق اور قاری کے درمیان علمی شعور کے خلا کو پُر کر دیا ہے۔ ان کی رائے ملاحظہ کیجیے:

> "آمنہ مفتی کے ناول"پانی مر رہا ہے" کو بھی ہنگامی تبصرہ نگاروں نے سر پر اُٹھا لیا ہے اجو کہانی،کردار اور زبان و تکنیک کے اعتبار سے ایک کمزور ناول ہے۔ ہر طرف اس ناول کی تحسین کے غلغلے ہیں اور پُر فریب اصطلاحات وضع کرکے مصنفہ کو مختلف خطابات سے مزین کرکے اردو ادب کے قارئین کو ورغلایا جا رہا ہے۔"-(17)

اس ناول میں واقعات کی کوئی خاص ترتیب موجود نہیں ہے اور نہ ہی ان میں کوئی منطقی ربط موجود ہے۔ مصنفہ ایک قصے کو شروع کرتی ہیں پھر اسے ادھورا چھوڑ کر کوئی اور قصہ شروع کر لیتی ہیں۔ بھوریوں کے کلے کی داستان پورے ناول کی فضا پر غلبہ کیے ہوئے ہے۔ بھوریوں والے کلے کے جوگی کا قصہ، بکری کے بچوں کا "مینا" پر حملہ آور ہونا اور پھر ان کی عجیب وغریب حرکات کرنا مغربی میجک رئیلزم" کی اصطلاح کا بھونڈا اختیاری پن ہے جسے مصنفہ صحیح طور سے اس ناول میں استعمال نہیں کر سکیں۔

غلام حسین ساجد نے اس ناول میں فیصل اعوان سے مختلف رائے کا اظہار کیا ہے ان کے نزدیک یہ ناول اردو ادب میں ایک نئی سمت اور رخ کا تعین کرتا ہے جس کے بارے میں ابھی تک اردو میں کچھ نہیں لکھا گیا ہے۔

غلام حسین ساجد لکھتے ہیں:

> " جراتِ رندانہ اور آخری زمانہ کے بعد "پانی مر رہا ہے" ناول میں مصنفہ نے اپنے اختیار کو پوری طاقت سے آزمایا ہے۔ ان کے تینوں ناولوں کے کردار معدوم ہونے اور منظر نامے کے تخیل اور دستِ فنا کی حرکت میں آنے کی رفتار کو تیز تر کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ بہت روشن اور دل نشیں منظروں اور کیفیتوں کے مابین کہیں "شِو" کی آنکھ کھلتی ہے اور موجود کی صباحت جل کر راکھ ہو جاتی ہے"۔(18)

یہ ناول اپنے عنوان کے اعتبار سے چونکا دینے والا ناول ہے۔ یہ ناول بظاہر پانی کی کمی کے بارے میں لکھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس ناول کی اشاعت اور عنوان کی ذو معنویت نے اس میں قاری کی دلچسپی کو بڑھایا ہے۔ یہ ناول پانی کی کمی کے حوالے سے نہیں ہے بلکہ پانی کو بطور علامت یہاں برتا گیا ہے۔ مصنفہ نے یہاں پانی کو وسیع المعنی میں برتا ہے اور یہ بتایا ہے کہ پانی کی اصل کیا ہے اور یہ کہ پانی کے مرنے کے پیچھے کیا کچھ مرتا ہے۔

اس ناول کا مرکزی کردار "اسرار" جب نازنین کے ہمراہ شہر میں اس کی ماں مسز منصور کے گھر جاتا ہے جو اپنے غسل خانے میں آئی سلین یعنی پانی کے بھرے ٹپ کو دیکھ کر کہتی ہے: "پانی مر رہا ہے" ۔ شہروں میں نہانے کا انداز دیہات کی نسبت مختلف ہوتا ہے اس لیے ایک دیہاتی لڑکی اس طرح دنوں مقید کیے ہوئے پانی کو دیکھ کر یہ کہتی ہے کہ مقید پانی مر رہا ہے۔ پانی کے مرنے کے حوالے سے بھی تبصرہ نگاروں اور کالم نویسیوں کے ہاں مختلف آرا سامنے آرہی ہیں۔ محمد عاصم بٹ لکھتے ہیں:

> "آمنہ مفتی کا ناول "پانی مر رہا ہے" ،دریاؤں کے مر جانے اور ان کے انتقامی ہو جانے سے متعلق ایک تنبیہ ہے ایک پیشین گوئی ہے جس پر اگر کان نہ دھرا گیا تو عظیم سیلابوں یا قحط اور سوکھے ہوئے عذاب نازل ہوں گے۔ یہ ناول ایک گھمبیر قومی اور انسانی مسئلے کی طرف ہماری توجہ دلانے کی ایک بھرپور کوشش ہے جسے ہم ابھی تک دیکھ نہیں رہے ہیں۔"(19)

محمد عاصم بٹ کی اس رائے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ ناول پڑھا ہی نہیں ہے۔ عاصم بٹ کوئی موسمی تبصرہ نگار نہیں کہ ان کے ہاں یہ غیر ذمہ داری پائی جائے اس کے باوجود محض عنوان کی ذو معنویت کو دیکھتے ہوئے اپنے علمی تجربے کی نرگسیت میں مبتلا ہو کر انھوں نے یہ رائے قائم کر لی جس کا ناول سے دور، دور تک کوئی تعلق نہیں ہے۔

ناول "پانی مر رہا ہے" ایک علامتی ناول ہے جس میں مصنفہ نے شعوری طور پر مافوق الفطرت واقعات میں غیر معمولی دلچسپی دکھائی ہے ۔اس ناول کا پلاٹ اور واقعات کی الجھی ہوئی ترتیب سے پتہ چلتا ہے کہ اس ناول کو مصفنہ نے وقفے وقفے سے لکھا ہے اور جیسے تیسے اسے مکمل کر کے ادھورا چھوڑ دینے کے خیال سے پبلشرز میسر آ جانے پر عجلت میں چھپوایا ہے۔ بعض دفعہ انسان اپنے مشاہدے کو تصرف کی حد سے ماورا کر کے نرگسیت میں مبتلا کر لیتا ہے پھر عجلت کا شکار ہو کر ایک غیر معمولی چیز کو معمولی بنا ڈالتا ہے۔ آمنہ کے اس ناول کا معاملہ بھی کچھ اسی طرح سے ہے۔ راشد شریف کی رائے سے میں اتفاق کرتی ہوں:

> " پانی مر رہا ہے؛ ناول کی کہانی شروع سے آخر تک جعلی، ناقابل یقین اور اوٹ پٹانگ واقعات پر مبنی ہے۔ کہیں کوئی ایسا ماحول نظر نہیں آتا کہ ان واقعات کا اعتبار بنے۔ معلوم نہیں مصنفہ نے اسے کون سی ذہنی کیفیت میں لکھا ہے۔ ایک شبہ ہوتا ہے کہ مصنفہ نے اس ناول کو "جادوائی حقیقت بنی یعنی میجک رئیلزم" کی تکنیک میں شعوری طور پر لکھنے کی کوشش کی ہے جو لوازمات، فن، ٹریٹمنٹ اور تخلیقی مہارت سے خالی ہے"۔(20)

اس ناول میں موجود واقعات اور کرداروں کی حرکات و سکنات کے متعلق مصنفہ نے خود ثمینہ پیرزادہ کو دیئے اپنے ایک انٹرویو میں ذکر کیا ہے جس میں مصنفہ نے گاؤں میں گزرے اپنے بچپن کے واقعات دہرائے ہیں جن میں "بچھل پری" اور "جل پری" کے محیر العقول واقعات کا ذکر سن کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس ناول کی کہانی کا تانا بانا دیہات کی فرسودہ رسوم و رواج اور نسل در نسل عوامی لوک داستانوں پر مشتمل لایعنی قصوں سے تشکیل دیا گیا ہے۔

> " بچپن میں ہم گاؤں میں بہت مزے کرتے تھے۔ ابا کے فارم پر سہیلیوں کے ساتھ کھیلتے تھے، بڑی بوڑھیوں سے جل پری اور بچھل پری کے واقعات سن کر انھیں دیکھنے کی حسرت رہتی تھی۔ میں سات بہنوں میں سب سے چھوٹی تھیں اس لیے مجھے کم توجہ اور زیادہ لاڈ کی فراغت نے ضدی بنا دیا تھا۔ میں اکثر ویرانوں میں ٹہلتی اور خیال کرتی کہ کہیں کوئی جل پری نظر آ جائے جبکہ میری دوستیں اس بات سے ڈرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ تم خود جل پری ہو یہاں جل پری کیسے آئے گی"۔(21)

مجموعی اعتبار سے اس ناول کی تکنیک نے اس ناول کے قصے کو کسی حد گہنایا ضرور ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس ناول کو سرے سے نظر انداز کر دیا جائے۔ ایک بڑا ناول ہمیشہ اپنے اندر فنی نقص کا جھول رکھتا ہے۔ مصنفہ نے اس ناول میں مافوق الفطرت واقعات کے بیان کا تجربہ کیا ہے۔ "پانی مر رہا ہے" اردو ناولوں کی فہرست میں ایک اہم اضافہ ہے۔۔ ابھی ان کا چوتھا ناول اشاعت پذیر ہے جو اس تجربے سے آگے کی کڑی ہے۔

آمنہ مفتی ایک کامیاب ناول نگار ہیں۔ان کے ناول اپنے اچھوتے موضوعات، تکنیک،اسلوب اور طرزِ اظہار کے اعتبار سے حلقہ اردو ادب میں ایک تخصیصی توجہ کے حامل ہیں۔آمنہ کا فنی سفر ابھی شباب کے دورِ عروج کو چھو رہا ہے۔امید کی جاتی ہے کہ مستقبل قریب میں ان کے قلم سے شاہکار ناول تخلیق ہوں گے جو اکیسویں صدی کے نسائی اردو ناول کی روایت کو صحت مند سنبھالا دینے میں کلیدی کردار ادا کریں گے۔

حوالاجات

1. ثمینہ پیرزازہ۔آمنہ مفتی سے محاسبہ،ریوانڈ دد پیرزادہ، جنوری2017ء
https://www.youtube.com/watch?v=hI8-YPxsZoI
2. ثمینہ پیرزازہ۔آمنہ مفتی سے محاسبہ،ریوانڈ دد پیرزادہ، جنوری2017ء
https://www.youtube.com/watch?v=hI8-YPxsZoI
3. خرم سہیل،آمنہ مفتی سے محاسبہ۔5 جنوری2022ء
https://www.youtube.com/watch?v=cItYcSNmwt8
4. خرم سہیل،آمنہ مفتی سے محاسبہ۔5 جنوری2022ء
https://www.youtube.com/watch?v=cItYcSNmwt8
5. خالد فتح محمد،آمنہ مفتی کا پہلا ناول۔ جراتِ رندانہ اور روایات کی جڑیں،29 مئی2020ء
https://www.aikrozan.com/amina-mufti-first-novel-reviews-khalid-fateh-muhammed/
6. خالد فتح محمد،آمنہ مفتی کا پہلا ناول۔ جراتِ رندانہ اور روایات کی جڑیں،29 مئی2020ء
https://www.aikrozan.com/amina-mufti-first-novel-reviews-khalid-fateh-muhammed/
7. ثمینہ پیرزازہ۔آمنہ مفتی سے محاسبہ،ریوانڈ دد پیرزادہ، جنوری2017ء
https://www.youtube.com/watch?v=hI8-YPxsZoI
8. آمنہ مفتی،آخری زمانہ، سرورق،عبداللہ حسین،الفیصل ناشران کتب لاہور،2010ء،ص26
9. زاہد خان۔آخری زمانہ اور میرا 'ناول فوبیا' مشمولہ مضمون، ہم سب،20۔اپریل2014ء
https://www.humsub.com.pk/12841/zahid-hasan-15/
10. آمنہ مفتی،آخری زمانہ،الفیصل ناشران کتب لاہور،2010ء،ص417
11. شہاب ظفر ہاشمی،ڈاکٹر،اکیسویں صدی میں اُردو ناول۔ایک تنقیدی مطالعہ، مشمولہ مضمون،ادبی میراث،19فروری2021ء
https://adbimiras.com/ikkiswi-sadi-mein-urdu-novel-aik-tanqeedi-mutaliah-dr-shahab-zafar-azmi/
12. زاہد خان۔آخری زمانہ اور میرا 'ناول فوبیا' مشمولہ مضمون، ہم سب،20۔اپریل2014ء

13. غالب نشتر، اکیسویں صدی میں پاکستان میں اردو ناول، مشمولہ، اردو فکشن، https://urdufiction.in/mazamin_details?id=Mg==
14. زیف سید، مشمولہ، ادبیات، خصوصی نمبر: اردو ناول ڈیڑھ صدی کا قصہ (جلد دوم) ، مدیر، اختر رضا سلیمی،، صفحہ نمبر ۲۱۱
15. "خرم سہیل، آمنہ مفتی سے محاسبہ۔5 جنوری 2022ء
https://www.youtube.com/watch?v=cItYcSNmwt8
16. فیصل اقبال اعوان، آمنہ مفتی کا ناول "پانی مر رہا ہے"، مشولہ، ہم سب، 20 جولائی 2022ء https://www.mukaalma.com/105451/
17. غلام حسین ساجد، پانی مر رہا ہے؛ ایک تجرباتی ناول، مشمولہ، ہم سب، 15 نومبر 2018ء، https://www.humsub.com.pk/189343/ghulam-hussain-sajjad/
18. محمد عاصم بٹ، اردو ناول میں فنتاسی کی روایت اور آمنہ مفتی، مشمولہ، تجزیات، 28۔اکتوبر 2018 ،
https://www.tajziat.com/article/5752
19. راشد جاوید، پانی مر رہا ہے پر تبصرہ، مشمولہ، پنجند، https://www.punjnud.com/amina-mufti-ki-kitab-pani-mar-raha-hai-par-tabsara/
20. ثمینہ پیرزادہ۔ آمنہ مفتی سے محاسبہ، ریوانڈ دو پیرزادہ، جنوری 2017ء
https://www.youtube.com/watch?v=hI8-YPxsZoI
21. آمنہ مفتی، پانی مر رہا ہا، الفیصل ناشران کتب و پبلشرز، لاہور، 2018، ص 169، 156، 17